پروفیسر جمال الدین

# مسجد —— ایک معاشرتی مرکز

حدیث میں ہے کہ مساجد خدائے قدوس کے گھر ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ سبوح و قدوس مسجد کی چہاردیواری میں اس طرح بیٹھا ہے جیسے ہم اپنے مکانوں میں بیٹھتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے لیے چند گھری ہوئی چہاردیواریوں کے محتاج ہیں۔ گویا ان کا خدا انہیں کے اندر رہتا ہے اور باہر نہیں۔ لیکن مذہب اسلام کا خدا اس آب و گل اور سنگ و خشت کی چہاردیواریوں میں محدود نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے۔ وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے مسجدوں کے باہر بھی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "تمام روئے زمین میرے لیے سجدہ گاہ بنائی گئی ہے"(۱)۔

ظہورِ اسلام سے قبل ہم سب سے پہلے مکہ والوں کے لیے مشورہ گاہ کے طور پر ایک مستقل عمارت تعمیر کرتے ہوئے قصیؔ کو پاتے ہیں۔ مکہ کا یہ دارالبلد عبادت گاہ کے سامنے ہی بنایا گیا تھا۔ اس مشورہ گاہ میں جنگوں کا اعلان اور مدافعتی تدابیر پر غور ہوتا تھا۔ اسی جگہ تجارتی معاہدے طے ہوتے تھے اور متفرق رسوم بھی ادا کی جاتی تھیں(۲)۔

دارالندوہ تو شہر مکہ کا مرکزی دارالبلد تھا۔ اس کے علاوہ شہر میں جتنے محلے یعنی قبائلی آبادیاں تھیں اتنی ہی مجالسِ محلہ بھی تھیں۔ مکہ میں ان کو "نادی" اور مدینہ میں انہیں "سقیفہ" کہتے تھے۔ ان قبائلی مجالس محلہ میں علاوہ محلہ کے معاملات طے ہونے کے کئی رسمیں بھی ادا کی جاتی تھیں مثلاً کسی فردِ خاندان کو بے راہروی پر "خلع" کرنے اور اجنبیوں کو فردِ خاندان بنانے کی رسوم۔ تجارتی معاملات اور کاروانوں کی آمد یا روانگی بھی یہیں سے ہوا کرتی تھی۔

مدینہ منورہ کے یہودیوں نے بھی ایک "بیت المدراس" قائم کر رکھا تھا جو نیم تعلیمی اور نیم عدالتی

---

(۱) سیرۃ النبیؐ۔ جلد سوم۔ سید سلیمان ندویؒ، ص ۵۰۰ (۲) عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، جلد اول، محمد حمید اللہ، ص ۲۸

بھی ایک مدعیِ نبوت صاحب نے فوراً اعلان فرما دیا کہ "ایک مہینے میں دو دو گرہنوں کا ہونا ہماری صداقت کا نشان ہے"۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ کرامت پرستوں کی بیوقوفی سے مدعیِ نبوت نے کیا فائدہ اٹھایا؟ دراصل اس سے زیادہ حیرت ان اہلِ عقل پر ہے جو زندگی کے اور تمام معاملات میں خاصے ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔ لیکن کشف و کرامت کی دنیا میں آنے کے بعد وہ اتنے سادہ لوح ہو جاتے ہیں کہ عادت کو بھی خرقِ عادت سمجھ کر ایمان لے آتے ہیں۔ جناب ابراہیم بن رسول اللہؐ کی وفات کے دن سورج کو گہن لگا تو لوگوں نے کہا کہ وفاتِ ابراہیم کی وجہ سے یہ گہن لگا ہے۔ آنحضرتؐ کو اس چہ میگوئی کی اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خطبہ دیا اور فرمایا وہ گہن کو کسی کی موت و زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قدرتِ خدا کی ایک آیت (نشانی) ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی خرقِ عادت نہیں بلکہ عین عادت ہے جو پہلے بھی ظاہر ہوتی رہی اور آیندہ بھی ظاہر ہوتی رہے گی۔ اگر ابراہیم وفات نہ پاتے جب بھی یہ گہن اپنے وقت پر لگتا۔ یہ ہے ارشادِ رسولؐ جو وہمی بنیادوں پر زندگی کی عمارت کھڑی کرنے سے روکتا ہے۔ مگر کرامت پرستی عام عادتِ الٰہی کو بھی خرقِ عادت بنا کر کسی کی صداقت کا نشان بنا دیتی ہے۔

ہم اس موقعے پر اپنے اس تعجب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو امام جلال الدین سیوطی جیسے فاضل کے ایک ارشاد سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنی "تاریخ الخلفا" میں ایک روایت لکھتے ہیں کہ "شفق کی سُرخی پہلے نہیں ہوا کرتی تھی۔ واقعۂ کربلا کے بعد یہ سرخی ہونے لگی"۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ کرامت پرستی بھی انسان کو کہاں کہاں لے جاتی ہے۔

ہم اچھی طرح اس وقت یہ محسوس کر رہے ہیں کہ بعض لوگ یہ مضمون پڑھ کر پیغمبروں کے معجزات کے بارے میں بھی ایک خاص زاویۂ نظر سے سوچنے لگیں گے۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وقت یہ بحث میرے پیشِ نظر نہیں۔ دوسرے کچھ آپ بھی سوچئے اور غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچئے۔ ہمیں بھی آپ کے افکار سے مدد ملے گی۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر مشکل کو ہم ہی حل کریں؟ ہم نے تو صرف کرامات و تصرفات کے بارے میں کچھ عرض کیا ہے پہلے اس سے کرامات کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچ لیجئے اس کے بعد معجزات پر بھی گفتگو ہوگی۔ تیسرے معجزات کے بارے میں ایک قرآنی آیت پر بھی غور فرمائیے جو یوں ہے "وما منعنا ان نرسل بالآیت الا ان کذب بھا الاولون" یعنی ہم کو آیات (معجزات) بھیجنے سے جس بات نے روکا ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ لوگ ان آیات (معجزات) کی تکذیب کر چکے ہیں۔ ساتھ ہی رومی کے اس شعر کو پیشِ نظر رکھئے ؎ دردِ دل ہر کس کہ دانش را مزہ است + زردی و آوازِ پیمبر معجزہ است اور دل چاہے تو اقبال کا یہ شعر بھی پھر پڑھ لیجئے ؎ محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا + ہے مومنِ آزاد خود اک زندہ کرامات

---

کے زمانہ میں عمالِ حکومت، حاکمِ ملک اور والیٔ صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغِ دین اور معلمِ اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔[1]

چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف تبلیغ و تقدیس تھا، اس بناء پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہل محلہ کو دن میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی و اجتہادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بنتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نہ صرف تمام اسلامی بستیوں میں مسجدیں بنانے کی خاص تاکید فرماتے تھے بلکہ باجماعت نماز پڑھنے کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے۔ اسلام میں فی الحقیقت اجتماعیت کو انفرادیت پر ترجیح حاصل ہے۔

مدینہ کی مرکزی مسجد میں ہر جمعہ کو آنحضرتؐ خود خطبہ دیا کرتے تھے جب کہ ان کے نمائندے ملک عرب کی باقی تمام مساجد میں خطبوں کے ذریعہ عوام کو نہ صرف قرآن مجید کی اور رسول اکرمؐ کے ارشادات کی تعلیم دیتے بلکہ بہبود عامہ سے متعلق مسائل میں ان کی دلچسپی بڑھاتے۔ اہم قومی معاملات پر غور و خوض مسجد ہی میں ہوتا۔ وہیں فیصلے ہوتے اور جب بھی کسی اہم خبر کی اطلاع دینی ہوتی سب کو مسجد میں جمع ہونے کو کہا جاتا اور خطبہ کے ذریعہ مطلع کیا جاتا۔ شروع میں تو عموماً قاضی یا حاکم عدالت کا اجلاس بھی مسجد ہی میں ہوتا۔ کیونکہ مساجد میں مسلم اور غیر مسلم سب بے تکلف آسکتے تھے۔[2]

اسی آئین کا اتباع خلفائے راشدین نے کیا۔ ابتدائی خلفاء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مسجد میں نماز ادا کرتے اور وعظ کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے [illegible] خواہوں کو ذرا بھی دقت نہ ہو عدالت کے لیے خاص عمارتیں بنوانے سے گریز کیا اور مسجدوں پر اکتفا کیا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد صحنِ مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو کچھ کہنا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔[3] علاوہ ازیں ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد حضرت عمرؓ جماعت کے روبرو اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات بیان کر دیتے تھے۔ اس موقع پر کیے ہوئے فیصلے عاملوں اور صوبوں کے امیروں کے پاس بھیجے جاتے تھے جن کو وہ لشکر اور عامۃ المسلمین کے درمیان مشتہر کر دیتے تھے۔ اس طرح کوئی شخص شہر میں یا

---

(۱) سیرۃ النبیؐ حصہ اول۔ مجلد دوم۔ علامہ شبلی نعمانیؒ۔ ص ۶۸ (۲) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، جلد اول۔ محمد حمید اللہ۔ ص ۱۹۲

(۳) الفاروق۔ حصہ دوم۔ مولانا شبلی نعمانیؒ۔ ص ۹۴۔

ادارہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام کے آغاز تک اس کا پتہ چلتا ہے۔[1]

ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرتؐ کا سب سے پہلا کام ایک مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ خانہ کعبہ کی طرح یہ مسجد "جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی" ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ رسول مقبولؐ اسی سادہ سی عمارت میں غیر ملکی سفراء اور وفود کو شرف ملاقات بخشتے تھے۔ یہیں اپنے پیروؤں کو تعلیم و تلقین کرتے اور تمام امور عامہ اسی مسجد میں انجام فرمایا کرتے۔ اپنے متبعین کو ان بنیادی باتوں کا عملی سبق دینے کے لیے جن پر آپؐ ایک مثالی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے جملہ مشاغل کا مرکز مسجد ہی کو انتخاب فرمایا۔ نتیجۃً مسجد مسلمانوں کی نہ صرف روحانی زندگی بلکہ ان کی زندگی کے ہر پہلو کا مرکز بنی۔ اور صحیح اور مکمل معنوں میں ان کی قومی زندگی کا محور و مرکز بن گئی۔[2]

اسی مسجد نبویؐ میں ایک احاطہ تھا جو اس غرض کے لیے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لیے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طالب علموں کے لیے مدرسہ کا کام دے اور دارالاقامے کا بھی۔ یہاں اعلیٰ تعلیم تو خود رسول کریمؐ دیا کرتے تھے لیکن ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا نوجوان رضاکاروں کے سپرد تھا۔ اس مدرسہ (بلکہ جامعہ) میں عرب کے ہر قبیلہ سے ایک ایسی جماعت تیار کی جاتی تھی جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرتؐ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے تاکہ وہ پورے ملک کے لیے اسوہ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے۔[3]

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درس گاہ نہیں تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبویؐ میں تھیں۔ مدینہ میں بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک مسجد تھی۔ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ والوں کے لیے درسگاہ کا بھی کام دیتی تھی۔ ان مساجد میں صرف وہی اشخاص امام مقرر کیے جاتے جو نہ صرف قرآن مجید اور سنت کے ماہر ہوتے بلکہ متقی اور اعلیٰ سیرت کے مالک بھی ہوتے۔ اماموں کا تقرر خود آنحضرتؐ فرماتے۔ عموماً جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے گو بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ اس طرح آنحضرتؐ

---

(۱) عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ جلد اول، ص ۲۰۰ (۲) دی فاؤنڈیشن آف اسلامک اسٹیٹ۔ امیر حسن صدیقی۔ دی وائس آف اسلام نومبر ۱۹۶۱ء (۳) عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ جلد اول۔ محمد حمید اللہ۔ ص ۲۱۲۔

حسان بن ثابتؓ تو مسجد نبوی ہی میں شعر پڑھا کرتے تھے خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں۔

دین و دنیا کا وہ حسین اور نادر روزگار امتزاج جو ہمیں آنحضرت صلعم کے عہد زریں اور ابتدائی خلفاء کے ادوار خلافت میں نظر آتا ہے وہ نہ صرف اسلامی ثقافت و تہذیب کی جان ہے بلکہ انسانیت کی معراج بھی ہے۔ اگر ہم اسلامی ثقافت کی اس قدر کا جس کو "مسجد" کہتے ہیں۔ بغور مطالعہ کریں تو یہ حقیقت ہم پر ضرور آشکار ہو جائے گی کہ سنگ و خشت کی یہ چہار دیواری ایک انداز فکر اور ایک طرز حیات کا نام ہے۔ اور علامہ اقبالؒ کا وہ "جلیل و جمیل" خواب جو انہوں نے دریائے کبیر کے کنارے دیکھا تھا مسجد کو مسلمانوں کی قومی زندگی میں اس کا صدیوں پرانا مقام دینے ہی سے شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔

---

# اسلام اور رواداری

مصنفہ رئیس احمد جعفری

قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسن سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے کس طرح اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں۔

حصہ اول صفحات ۴۳۲۔ قیمت ۵۰ر۷ روپے

حصہ دوم صفحات ۴۷۴۔ قیمت ۵۰ر۷ روپے

---

# افکار ابن خلدون

مصنفہ محمد حنیف ندوی

عمرانیات اور فلسفۂ تاریخ کے امام اول ابن خلدون کے تنقیدی، عمرانی اور دینی و علمی خیالات و افکار کا ایک تجزیہ۔ صفحات ۱۳۲۔ قیمت ۲۵ر۴ روپے۔

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

لشکر میں امورِ ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔[۱]

حضرت عمرؓ بغیر مشورہ کیے امورِ خلافت انجام نہ دیتے تھے۔ آپ روزانہ انتظامات اور ضروریات پر جس مجلس میں گفتگو کرتے تھے وہ ہمیشہ مسجدِ نبویؐ میں منعقد ہوتی تھی۔ فتوحات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربارِ خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمرؓ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے، اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ اس مجلس کے انعقاد کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔ البتہ جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تھا، مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا تھا کہ تمام مفتوحہ علاقے فوج کی جاگیر میں دیدیئے جائیں، تب بڑی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ یہ مجلس شوریٰ اپنی ساخت اور طریقۂ کار کے لحاظ سے روزمرہ کی مجلس سے مختلف ہوتی تھی۔[۲]

حضرت عمرؓ کے عہد میں ہزاروں نئی مساجد تعمیر ہوئیں۔ خلیفہ کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی۔ اور درحقیقت ان کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ جمعہ کے دن آپ جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ بھیجا کرتے تھے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، آپ فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ وہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔[۳]

اس طرح عہد فاروقی میں جہاں مسجد کا تعلق ایک طرف سیاست اور انتظاماتِ ملکی سے اتنا ہی قریبی رہا جتنا کہ عہد نبویؐ میں تھا وہاں دوسری طرف مسجد مسلمانوں کی دینی، علمی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز بھی بنی رہی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی مساجد میں علمی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ جب آپ نے مسجد نبویؐ کی تجدید کی تو اس کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ کا اضافہ کیا جہاں لوگ بات چیت کرتے اور اشعار پڑھتے تھے۔[۴] جناب رسالت مآب کے ملک الشعراء حضرت

---

(۱) اسپرٹ آف اسلام، سید امیر علی: ص ۴۱۴ (۲) الفاروق، حصہ دوم، مولانا شبلی نعمانیؒ۔ ص ۷، (۳) الفاروق حصہ دوم، ص ۶۱
(۴) الفاروق حصہ دوم۔ ص ۶۵ (۵) سیرۃ النبی حصہ اول، مولانا شبلی نعمانی۔ ص ۲۱۲